16

مذہب کی پیش کردہ بہت سی صداقتیں ایسی ہیں جو بظاہر نہایت سادہ اور معمولی ہیں لیکن اگر دنیا پوری طرح ان پر کاربند ہو جائے تو باہمی کشمکش اور لڑائیوں کا سلسلہ یکسر بند ہو سکتا ہے

(فرمودہ 21 جولائی 1950ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

"اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ 1

اس کے بعد فرمایا:

"بہت سی صداقتیں دنیا میں ایسی ہیں جو نہایت چھوٹی، نہایت ظاہر اور نہایت سادہ ہیں۔ لیکن جتنا کام اُن سے لیا جا سکتا ہے اُتنا ان بڑی بڑی ایجادوں سے نہیں لیا جا سکتا جن سے آج کل دنیا مرعوب ہو رہی ہے اور جن کی وجہ سے وہ قومیں اپنی علمی تحقیقات پر فخر کرتی ہیں۔ لیکن انسان کی یہ ایک عجیب حالت ہے کہ وہ ان سادہ اور چھوٹی چھوٹی صداقتوں سے کام نہیں لیتا بلکہ ہمیشہ ٹیڑھے اور پیچیدہ رستوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ دنیا کے اکثر انسانوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے ایک احمق سے پوچھا کہ مجھے بگلا پکڑنے کی ضرورت ہے کوئی ایسا طریق بتاؤ جس سے وہ پکڑا جا سکے۔ اس نے کہا تہجد کے وقت دریا کے کنارے چلے جاؤ بگلا وہاں بیٹھا ہوا ہو گا۔ اپنے ساتھ کچھ موم لے جانا، آہستہ آہستہ

لیٹ کر وہاں تک جانا اور وہ موم اُس کے سر پر رکھ دینا۔ اس کے بعد تھوڑی دُور پَرے ہٹ کر بیٹھ جانا اور ہوشیار رہنا۔ سورج نکلے گا تو دھوپ کی وجہ سے موم پگھلے گی اور پگھل کر اُس کی آنکھوں میں پڑے گی وہ اندھا ہو جائے گا اور اُسے آنکھوں سے کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ پھر آہستہ آہستہ جا کر اُسے پکڑ لینا۔ اُس شخص نے کہا میں صبح سویرے اتنا فاصلہ طے کر کے دریا پر جاؤں گا۔ پھر رینگ رینگ کر اور چُھپتے چُھپتے بگلے کے پاس پہنچوں گا، اس کے سر پر موم رکھوں گا اور پھر پرے ہٹ کر بیٹھا رہوں گا کہ سورج نکلے اور موم پگھل کر اس کی آنکھوں میں جا پڑے اور وہ اندھا ہو جائے تب میں اُسے پکڑوں۔ تو کیوں نہ میں اُس وقت ہی اُسے پکڑ لوں جب میں اُس کے سر پر موم رکھنے جاؤں۔ اس نے کہا پھر استادی کیا ہوئی۔ دنیا کے اکثر انسان ایسے ہی بیوقوف ہیں جیسے وہ شخص جس نے بگلے کے پکڑنے کا یہ طریق بتایا۔ وہ ہمیشہ پیچیدہ اور ٹیڑھے رستوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سیدھی سادھی بات جو مجرّب ہو اور پھر ایک دفعہ نہیں ہزار ہا دفعہ تجربہ میں آئی ہو اور ہر ایک کے علم میں ہو وہ اختیار نہیں کرتے۔

مذہب کیا ہے؟ جہاں تک اس کا بنی نوع انسان سے تعلق ہے وہ چند موٹے موٹے اخلاق کا نام ہے جو ایسے نہیں جو نئے ہوں یا جن کا تجربہ نہ ہوا ہو بلکہ وہ ہزاروں نہیں لاکھوں آدمیوں کے تجربہ میں آئے ہیں اور ان کے نتائج دیکھے گئے ہیں۔ مگر لوگ انہیں اختیار نہیں کرتے اور وہ ایسے رستوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو پیچیدہ ہوں۔ وہ ان کی بجائے بجلی کی مشینوں اور ایٹم بم کی تلاش میں رہتے ہیں کہ وہ کسی طرح ایجاد کریں تا انہیں استعمال کیا جائے۔ مثلاً مذہب یہ سکھاتا ہے کہ دوسروں سے حُسنِ سلوک کرو، کسی پر ظلم نہ کرو، کسی کا مال نہ کھاؤ۔ اب یہ چیزیں نئی نہیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں میں سے کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے یہ تعلیم دی ہو کہ تم دوسروں کا مال کھا لو، دوسرے لوگوں پر ظلم کرو۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو یہ تعلیم نہیں دی تھی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ نئی بات نکالی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات دہرائی ہے جس کی دوسرے نبیوں نے اپنے اپنے وقت میں تعلیم دی۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم کوئی فائدہ اٹھانے لگو تو پہلے یہ دیکھ لو کہ اس سے کہیں تمہارے کسی ہمسایہ کو نقصان تو نہیں پہنچتا۔ اب یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ہماری عقل کے کسی گوشہ میں بھی نہیں آ سکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں یہ تعلیم دی ہو کہ اے لوگو! تم کوئی نفع اٹھاتے وقت

ہمسایہ کا خیال نہ رکھو۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے یہ کہا ہوتا تو وہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نہیں کہلا سکتے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کہا ہوگا تو یہی کہا ہوگا کہ تم دوسرے شخص کا مال نہ کھاؤ۔ اُس پر ظلم نہ کرو، اُس سے حسن سلوک کرو۔ ہم یہ مان نہیں سکتے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے وقت میں یہ تعلیم دی ہو کہ اے لوگو! تم دوسروں کا مال لوٹ کر کھا جاؤ، ان پر ظلم کرو، ان سے حسن سلوک نہ کرو۔ لیکن ان کو جھٹلانے والے لوگ کہتے تھے کہ ہم ایسا نہیں کہیں گے۔ اور خدا تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کو الہام کرتا تھا کہ یہ لوگ جو دوسروں کا نقصان نہیں کرتے، بددیانتی نہیں کرتے، دوسروں پر ظلم نہیں کرتے، بلکہ اُن سے حُسنِ سلوک کرتے ہیں یہ بددیانت ہیں، بے ایمان ہیں مَیں ان پر عذاب نازل کروں گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا ہے وہ وہی ہے جو آدم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ یہ وہ چیز ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر اِس وقت تک چلتی چلی آئی ہے۔ اگر اِس تعلیم پر دنیا فِی الوَاقع عمل کرنے لگ جائے تو کیا کوئی لڑائی باقی رہ سکتی ہے؟ اگر دونوں فریق اِسی بات پر تیار ہو جائیں کہ وہ دوسرے کا مال نہیں اٹھائیں گے، دوسرے کو ذلیل نہیں کریں گے تو امن قائم ہو جاتا ہے اور لڑائی ہو ہی نہیں سکتی۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا دشمن بھی تم سے پیار کرنے لگ جائے گا2 اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمہاری آپس میں محبت نہیں ہوگی۔ اور اگر محبت نہ ہوگی تو پھر یہ وہی اُستادی بن جاتی ہے جو کسی نے بگلے پکڑنے کے لئے بتائی تھی۔ اگر تمہاری آپس میں محبت ہے تو دوسرے کے ساتھ لڑائی کا خیال بھی تمہارے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ مثلاً میاں بیوی ہیں۔ وہ آپس میں محبت رکھتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کی خوشی سے وہ خوش ہوتے اور ایک دوسرے کی غمی سے غم محسوس کرتے ہیں۔ کیا تم ان کے متعلق کبھی یہ خیال بھی کر سکتے ہو کہ بیوی ایک طرف کسی وقت بیٹھی ہو اور تم اس سے پوچھو بی بی! کیا کر رہی ہو؟ تو وہ کہے کہ میں اپنے خاوند کو مارنے کے لئے ایٹم بم تیار کر رہی ہوں۔ یا خاوند ایک الگ جگہ تجربہ کر رہا ہو اور پوچھنے پر وہ کہے میں اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کے لئے ایٹم بم تیار کر رہا ہوں۔ اگر میاں بیوی کے درمیان محبت ہوگی تو ایک دوسرے کو ہلاک کرنا تو کیا سخت کلامی اور سخت چہرے کا بھی ایک دوسرے کو خیال نہیں آ سکتا۔ پس ایٹم بم کی استادیاں تو جبھی سُوجھتی ہیں جب ہم دوسرے کو چھیڑیں گے اور دوسرے کے متعلق اپنے اندر

بُغض پیدا کریں گے۔ جب بُغض پیدا ہو جائے گا تو باہم لڑائیاں ہوں گی۔لیکن سیدھی سادھی بات ہے کہ ایک دوسرے کو چھیڑو، ہی نہیں۔بُغض پیدا ہی نہ کرو۔

سائنس آج سے پہلے بھی موجود تھی۔ دنیا ماضی میں بھی ایٹم بم بنا سکتی تھی۔لیکن پہلے زمانہ میں لوگوں میں ایک دوسرے کے متعلق اِس قدر بُغض نہیں تھا جس قدر آجکل ہے۔بُغض نے لوگوں کے اندر جوش پیدا کیا اور اتنا پیدا کیا کہ انسان نے سوچا کہ جب تک میں کوئی بھاری چیز تلاش نہ کروں میرا جوش ٹھنڈا نہیں ہوسکتا۔ جتنا جوش پیدا ہوا اُتنا تنوّع بھی پیدا ہوا۔ کیونکہ اگر کسی سے محبت ہوتی ہے تو ہزاروں قسم کے ایسے خیالات اٹھتے ہیں جو محبت پر دلالت کرتے ہیں۔اور اگر بُغض ہوتا ہے تو ہزاروں قسم کے خیالات اٹھتے ہیں جو بُغض پر دلالت کرتے ہیں۔ایٹم بم بُغض پر دلالت کرنے والا ذریعہ ہے۔ جب بُغض بڑھ گیا تو اس کو نکالنے کے لئے تجویزیں سوچی گئیں۔مثلاً ایک شخص دوسرے کو تھپڑ مارتا ہے اور اپنا بُغض نکال لیتا ہے لیکن جب بُغض بڑھتا ہے اور اتنا بڑھتا ہے کہ تھپڑ سے وہ نکل نہیں سکتا تو وہ تجربہ کرتا ہے کہ اس طرح گھونسا مارا جائے۔ وہ گھونسا مارتا ہے اور اس کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ خیال کرتا ہے کہ گھونسا مارنا بُغض نکالنے کا کوئی اچھا ذریعہ نہیں۔ وہ اَور آگے بڑھتا ہے اور ڈنڈا نکالتا ہے۔ پھر اس پر کچھ عرصہ چلتا ہے۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ ڈنڈا مارنے سے بھی اس کی تذلیل اتنی نہیں ہوئی کہ اس سے بُغض نکل جائے۔ وہ اسے جوتی مارتا ہے تا اس کی تذلیل ہو۔ پھر چاقو نکل آتا ہے، چُھری نکل آتی ہے، تلوار بنتی ہے اور بندوق بنتی ہے۔ یہ سب غصہ کی علامات ہیں۔ جب غصہ کا معیار بلند ہو جاتا ہے تو پھر پہلے آلات جن سے غصہ نکل جاتا تھا حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے شاعر محبت کرتے ہیں، اگلے شاعر پچھلے شاعروں سے اتنی محبت سیکھ لیتے ہیں جتنی وہ جانتے ہیں۔ پھر اس میں اَور ترقی کرتے ہیں، پھر اَور ترقی کرتے ہیں۔ اِس طرح شاعری بڑھتی جاتی ہے۔ درحقیقت شاعری بڑھتی ہی پچھلے تجربوں کی بناء پر ہے۔ جب دنیا کی تسلی پچھلی شاعری سے نہیں ہوتی تو پھر شاعر اَور زیادہ مبالغہ کرنے لگ جاتا ہے اور پھر اَور مبالغہ کرتا ہے اور اس طرح شاعری ترقی کر کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے۔

غرض دنیا کی صداقتیں بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں جن کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو بے ایمانیاں، بد دیانتی اور دغابازیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ورنہ مذہب جو چیزیں بتاتا ہے اُن میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہوتی جسے نظر انداز کیا جائے۔ اگر لوگ مذہب پر پوری طرح کاربند ہو جائیں تو آپس میں لڑائیوں کا

سوال ہی نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی صداقتیں ہیں۔ اگر انسان انہیں مان لے تو بُغض اور کینہ خود بخود نکل جاتا ہے۔ ہماری مخالفت بھی زیادہ تر وفاتِ مسیح وغیرہ عقائد کی وجہ سے نہیں بلکہ اِس وجہ سے ہے کہ لوگوں میں ضد کی عادت ہے۔ جب اُن کے سامنے کوئی سچائی پیش کرو تو وہ کہتے ہیں ہم اپنے عالِم کی بات مانیں گے ان کی بات کیوں مانیں۔ پھر احمدی ہو کر چندہ دینا پڑتا ہے لیکن وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اِسی طرح انہیں رسم و رواج پر روپیہ خرچ کرنے کی عادت ہوتی ہے لیکن جب احمدی ہو جائیں تو انہیں خدا کی راہ میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔ دین کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہے اور یہ چیز ان کی طبیعت کے موافق نہیں ہوتی۔ پھر لوگوں میں نفاق کی عادت ہوتی ہے۔ انہیں کوئی شیعہ مل جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ! بھلا حضرت علیؓ سے بڑا کون ہوسکتا ہے۔ اور اگر کوئی سُنی مل گیا تو کہہ دیا شیعہ بہت بُرے ہوتے ہیں وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر ایمان نہیں لاتے۔ غرض وہ ہر ایک کو خوش کرنے کی کوشش کریں گے اور اس سے آگے قدم نہیں بڑھائیں گے۔ کسی احمدی کو ملیں گے تو کہیں گے سُبْحَانَ اللّٰہِ مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔ اور جب دوسرے لوگ ملیں گے تو کہیں گے احمدی بہت بُرے ہیں۔ پھر مثلاً انگریز آ جائیں تو اُن کی ہاں میں ہاں ملا دیں گے اور بعد میں انہیں بُرا بھلا کہتے پھریں گے۔ یہ چیزیں ہیں جو صداقت کے قبول کرنے میں روک بن رہی ہیں۔ اگر یہ روکیں ہٹ جائیں تو احمدیت قبول کرنے میں دِقّت ہی کونسی رہ جاتی ہے۔ عقائد سب روشن ہیں۔ چیز صرف یہی ہے کہ لوگوں میں قربانی کا مادہ نہیں پایا جاتا۔ پھر ان میں ڈرنے کی عادت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں کے کچھ سردار آپ کے پاس آئے۔ جب واپس گئے تو ایک بھائی نے دوسرے سے پوچھا بھائی! آپ کا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے کہا باتیں تو سب سچی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیاں بھی سچی معلوم ہوتی ہیں مگر (گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) اس کی تعلیم صرف یہاں تک جاتی ہے نیچے نہیں جاتی۔ اُس نے کہا پھر تمہاری کیا صلاح ہے؟ اس نے کہا جب تک جان میں جان ہے ایمان نہیں لاؤں گا۔ بَھلا مَیں اپنی قوم کو کس طرح چھوڑ دوں۔ دوسرے نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ آپ کی مجلس میں وہ آپ کی صداقت کا اقرار کر رہے تھے لیکن باہر نکلے تو انکار کر دیا۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں میں اُن کے پیچھے پیچھے آ رہا

تھا اِس طرح کہ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ اُن کا کوئی تعاقب کر رہا ہے۔ میں نے جب اُن کی یہ باتیں سنیں تو بہت حیران ہوا۔ اس قسم کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں آج بھی پائی جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ ہمیں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اچھے ہیں۔ جب دوستوں سے ملتے ہیں تب بھی بعض دفعہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اچھے ہیں۔ لیکن جب مخالفین کو ملتے ہیں تو ہمیں برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے یہی حالت بعض احمدیوں کی بھی ہے۔ حالانکہ ہم تو احمدی چھوڑ کسی غیر احمدی، ہندو اور جاہل سے جاہل آدمی کے متعلق بھی نہیں سمجھتے کہ اُس کی یہ حالت ہوگی۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے تم پر مشکلات بھی آئیں گی مگر جب مشکلات آتی ہیں تو تم میں سے بعض شور مچا دیتے ہیں کہ ہائے! ہم مر گئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ بھلا سوچو تو سہی کہ دنیا میں کوئی شخص دکھوں سے بچا بھی ہے۔ بے شک نبی دنیا میں آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں جنت دیں گے، اس جہان میں بھی جنت دیں گے اور اگلے جہان میں بھی جنت دیں گے۔ مگر کیا تم نے کبھی سوچا بھی ہے کہ وہ جنت کیا ہے؟ اور کیا یہ جنت کہ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان نہ پہنچے، آپ کو کوئی جانی خطرہ بھی پیش نہ آئے، فرشتے آئیں اور آپ کے سب کام کر جائیں کبھی آدمؑ کو ملی؟ کبھی نوحؑ کو ملی؟ موسیٰؑ کو ملی؟ خدا تعالیٰ کا ہر نبی کہتا ہے کہ وہ تمہیں جنت دے گا لیکن تم کو ماننا پڑے گا کہ یا تو اس قسم کے مصائب جہنم کا حصہ نہیں بلکہ جنت کا حصہ ہیں۔ یہ دکھ بھی انسان کو لطف دینے کا موجب ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ اُس دنیا کا مزہ ہی کیا جس میں دکھ نہ ہوں۔ بہر حال خواہ یہ نظریہ ٹھیک ہو یا غلط یہ چیز بہر حال صحیح ہے کہ آدم علیہ السلام کو بھی تکالیف پہنچیں، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تکالیف و مصائب سے محفوظ نہ رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دکھ اور تکالیف کے دور میں سے گزرے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو بھی یہ تکلیفیں آئیں۔

کیا صلیب جنت کا ہی حصہ ہے؟ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنگ احد میں جو واقعہ پیش آیا، آپکے دانت شہید ہوئے، آپ بے ہوش ہو گئے اور آپ کی فتح شکست سے بدل گئی کیا جنت کا ہی حصہ ہیں؟ آپ پر جو جنگِ احزاب میں گزری کیا یہ جنت ہے؟ آپ کی وفات سے پہلے جو جنگ ہوئی وہ اتنی خطرناک تھی کہ بڑے بڑے مومنوں کے دل بھی ہل گئے تھے۔ روما کی طاقت مسلمانوں سے سینکڑوں گُنا زیادہ تھی پھر آپ لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ جنگ مسلمانوں کے لئے کتنی خطرناک تھی۔

اتنا بڑا بادشاہ جس کی آدھی دنیا پر حکومت تھی عرب پر حملہ آور ہونے لگا تھا۔ اگر یہ جنت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملی تو معلوم ہوا کہ جنت میں کانٹے بھی ضرور ہیں۔ اور اگر یہ جنت نہیں اور تم یہ مانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنت نہیں ملی تو یہ عجیب تمسخر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تو دنیا میں جنت نہ ملے اور مرید دنیا میں جنت ملنے کے امیدوار ہوں۔ لیکن اگر تم مانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دنیا میں جنت ملی تو لازماً آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جنت وہ بھی ہے جس میں دکھ، تکالیف اور شدائد پائے جائیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جب تم قومی طور پر مرنے لگتے ہو تو خدا تعالیٰ تمہیں اُس موت سے بچالیتا ہے۔

کہتے ہیں کوئی احمق تھا۔ اُسے خیال آیا کہ وہ کسی قبر میں چُھپ کر دیکھے کہ منکر نکیر کس طرح آتے ہیں۔ وہ قبرستان میں گیا۔ وہاں ایک پرانی قبر تھی۔ وہ اس میں چُھپ کر بیٹھ گیا اور سمجھا کہ منکر نکیر ظاہری شکل میں آئیں گے اور اسے دکھائی دیں گے۔ اتنے میں ایک قافلہ گزرا۔ خچروں پر شیشے کے برتن لدے ہوئے تھے۔ خچریں اس قبر کے پاس سے گزریں جس میں وہ احمق چُھپا بیٹھا تھا۔ چَھن چَھن کی جو آواز آئی تو اس نے خیال کیا کہ شاید منکر نکیر آ گئے ہیں۔ اُس نے گردن باہر نکالی تا منکر نکیر کو ظاہری شکل میں دیکھ لے۔ اُس کا گردن نکالنا تھا کہ خچریں بِدکیں اور برتن نیچے گر کر ٹوٹ گئے۔ تاجر کے نوکر آئے اور انہوں نے اُسے خوب مارا۔ صبح کو جب گھر آیا تو بیوی نے دریافت کیا کہ وہ رات کو کہاں گیا ہوا تھا؟ اس نے کہا مجھے یہ خیال آیا کہ میں منکر نکیر کو ظاہری شکل میں دیکھوں اور یہ معلوم کروں کہ اگلے جہان میں کیا ہوتا ہے اس لئے رات کو میں قبرستان میں گیا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بالکل آرام ہے صرف اتنی احتیاط رکھنی چاہیے کہ خچریں بِدک نہ جائیں۔

جس طرح اس بیوقوف نے اگلے جہان کے متعلق خیال کر لیا تھا وہی حال تمہارا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ جنت کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں کوئی دکھ نہ پہنچے، کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ آئے، ہمیں کوئی قربانی نہ کرنی پڑے، بالکل امن اور آرام ہو۔ لیکن جب تمہیں یہ چیزیں نہیں ملتیں تو تم کہتے ہو ہمیں جنت نہیں ملی۔ حالانکہ جس کے طفیل تمہیں جنت ملنی تھی جنگ اُحد میں اُس کے دانت شہید ہوئے، جنگ احزاب میں اُسے پندرہ دن بھاگنا بھی پڑا، عورتیں بے پردہ ہو گئیں اور جب ان کی حفاظت کے لئے سپاہی بھیجے گئے تو محاذ کمزور ہو گیا۔ اس کو وہ دن بھی دیکھنا پڑا جب روما کے متعلق یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ عرب پر حملہ آور

ہور ہا ہے تو منافقوں نے شادیانے بجائے اور کہا اب دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔ روما اور مسلمانوں کا مقابلہ ایسا ہی تھا جیسے ہاتھی اور چڑیا کا آپس میں مقابلہ ہو۔ مگر اِس کو تم جنت کہتے ہو۔ ایمان کے لحاظ سے تم یقین رکھتے ہو کہ یہ جنت تھی۔ لیکن جب اس لفظ کا اپنے لئے استعمال کرتے ہو تو کہتے ہو کہ ہمیں بھی وہی جنت ملے جو اس احمق کو ملی جو منکر نکیر دیکھنے کے لئے رات کو قبر میں چُھپ گیا تھا۔ حالانکہ جس نے جنت کا لفظ بولا ہے اس نے جو اس کے معنے لئے ہیں ہمیں بھی وہی معنے لینے پڑیں گے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ 3 مومن کو دو جنتیں ملیں گی۔ ایک اس جہان میں اور ایک دوسرے جہان میں۔ جس کے منہ سے دنیا میں جنت ملنے کا وعدہ نکلا ہے اُسی نے کہا ہے کہ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ۔ جنت کے یہ معنے نہیں کہ تم پر مصائب وارد نہ ہوں بلکہ جنت کے معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ تمہیں تکلیفیں پہنچیں۔ اس لئے یہ تکلیفیں تمہیں محسوس نہیں ہونی چاہئیں کیونکہ جن کے مقابلہ میں تم اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا عاشق قرار دیتے ہو اُن کو بھی تکالیف پہنچ رہی ہیں لیکن وہ تمہارے برابر نہیں ہیں۔ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ۔ تم یہ امید رکھتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم سے خوش ہو رہا ہے اور اگلے جہان میں بھی تمہیں زندگی ملے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کافروں کو یہ امید نہیں ہوتی۔ ان کے لئے نہ اس جہان میں جنت ہے اور نہ اگلے جہان میں جنت ہے۔ ہر شخص یہ امید کرتا ہے کہ اس کا گھر جنت میں ہو اور جنت کی خدا تعالیٰ نے یہاں تعریف کر دی ہے۔ لیکن بعض احمدی جنت کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ احمدی اس لئے ہوئے ہیں کہ ان کی تنخواہ بجائے دوسو کے پانچ سو ہو جائے۔ وہ احمدی اس لئے ہوئے ہیں کہ پہلے ان کا ایک بچہ ہے۔ اب دس بچے ہو جائیں۔ وہ احمدی اس لئے ہوئے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ پہلے دو چار آدمی اُن سے خوش ہیں اب سارا قبیلہ ان کے ہاتھ پر جمع ہو جائے گا۔ قوم انہیں لیڈر بنائے گی۔ یہ نقشہ ہوتا ہے جنت کا جو ایک شخص احمدی ہوتے ہوئے بعض دفعہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جب بھی اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ چلّا اٹھتا ہے۔ حالانکہ اُسے پہلے ہی سمجھنا چاہیے تھا کہ احمدی ہونے کی وجہ سے اس کی تنخواہ دوسو کی بجائے ایک سو ہو جائے گی۔ یہ نہیں کہ احمدی ہو جانے کی وجہ سے اس کی اولاد بڑھ جائے گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے پہلے بچے بھی تکلیف اٹھائیں۔ اسے یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ قوم اسے لیڈر بنائے گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ دس بارہ آدمی جو اُسے پہلے جانتے ہیں وہ بھی اسے چھوڑ دیں۔

دوسرے کوئی وجہ نہیں کہ یہ تکالیف اور مصائب اُسے صرف احمدیت کی وجہ سے پہنچیں بلکہ اگر وہ احمدی نہ بھی ہوتا تب بھی اُسے تکلیفیں پہنچنی تھیں۔ چاہے کسی رنگ میں وہ نقصان اٹھاتا وہ ضرور نقصان اٹھاتا۔ لوگ صرف تمہاری مخالفت ہی نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی بھی کرتے ہیں۔ تمہیں ہر جگہ نظر آئے گا کہ تمہاری جو مخالفت کرتا ہے وہ اپنے بھائی کی بھی مخالفت کرے گا کہ کہیں وہ تجارت میں اس سے آگے نہ بڑھ جائے۔ وہ ایک تیسرے شخص کی مخالفت بھی کرتا ہے اس لئے کہ آئندہ کسی وقت ان دونوں کا عُہدہ میں ترقی کے وقت مقابلہ ہونا ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے پہلے ہی گرا لے۔

پس یہ بات ہی غلط ہے کہ صرف احمدیت کی وجہ سے تمہیں تکلیفیں پہنچ رہی ہیں یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخالفین کو بھی ویسی ہی تکلیفیں پہنچ رہی ہیں جیسی تمہیں پہنچ رہی ہیں۔ صرف یہاں نام مذہب کا ہے۔ دوسری جگہوں پر جتھا بازی بھی ہوتی ہے اور قوم پرستی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً فلاں جاٹ ہے میں سید ہوں، فلاں کشمیری ہے میں پٹھان ہوں، فلاں راجپوت ہے میں مغل ہوں۔ پھر پارٹی بازی ہوتی ہے کہ فلاں، فلاں افسر کے ساتھ ہے مَیں فلاں افسر کے ساتھ ہوں۔ پھر ترقیوں کے اوپر مقابلہ کا سوال آتا ہے۔ گویا وہاں تو سینکڑوں وجوہ ہیں جن کی وجہ سے مخالفت ہوتی ہے اور یہاں صرف ایک ہی وجہ ہے کہ تم احمدی ہو۔ گویا احمدی ہو کر تم نے اپنی مخالفت کو محدود کر لیا۔ یہی حال تجارتوں میں بھی ہے۔ غرض اصل گند یہ ہے کہ لوگوں میں حسد کا مادہ پایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ[4] یعنی لوگوں میں حسد کا مادہ پایا جاتا ہے جس سے محفوظ رہنے کی دعا کرنی چاہیے۔ غرض دکھ اور تکلیف سے نہ کوئی رسول دنیا میں بچا ہے اور نہ مومن اور نہ کافر۔ مصائب ہر ایک پر آتے ہیں۔ امریکہ کتنا دولت مند ملک ہے لیکن اس میں بھی نو لاکھ کے قریب بیکار موجود ہیں۔ اب اگر جنگ ہوئی تو اگرچہ جنگ عذاب ہے مگر ان نو لاکھ بیکاروں کے لئے روزی کا ذریعہ کھل جائے گا۔ انگلستان میں اس سے بہت زیادہ آدمی بیکار ہیں۔ انگلستان کی کُل آبادی قریباً چار کروڑ ہے۔ اس میں دس بارہ لاکھ کے قریب افراد بیکار ہیں۔ حالانکہ وہ بہت بڑا ملک سمجھا جاتا ہے۔ انگلستان میں رواج ہے کہ وہاں رستوں پر تھوڑی تھوڑی دور ڈرم پڑے ہوتے ہیں۔ ہماری طرح لوگ وہاں گھروں سے باہر گند نہیں پھینک دیتے بلکہ انہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ انہی ڈرموں میں گند پھینکیں اور ہر ایک شخص یہ احتیاط کرتا ہے کہ وہ کوڑا کرکٹ ڈرم سے باہر نہ پھینکے۔ میرے ایک عزیز نے مجھے سنایا کہ ہم

اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ باہر پھینکتے ہیں اور ہم نے لندن کے کئی لڑکے اور لڑکیاں آپس میں لڑتی دیکھی ہیں۔ صرف اِس بات پر کہ کوڑا کرکٹ میں پڑا ہوا ایک بچا کھچا روٹی کا ٹکڑا کوئی دوسرا نہ لے جائے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ملکوں کے پاس دولت ہے لیکن کئی ایسی وجوہات ہوتی ہیں جن کی بناء پر حکومت باوجود کوشش کے غربت کا کوئی علاج نہیں کرسکتی۔ مثلاً اسلام نے بھی حکم دیا تھا کہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے ہر ایک کو روٹی ملے۔ لیکن اِس کا طریق یہی تھا کہ ہر ایک شخص کو سال چھ ماہ کا غلہ مل جاتا تھا۔ فرض کرو گورنمنٹ نے غلہ دے دیا اور اسے اطمینان ہو گیا کہ اب ملک میں کوئی بھوکا نہیں۔ لیکن ایک شخص سخی ہے اُسے کوئی مسافر ملا تو اُس نے اُسے کہا چلو میرے گھر۔ اس نے ایک ماہ کے خرچ میں سے پندرہ دن کا غلہ اُس مسافر کو کھلا دیا اور پندرہ دن کا خود کھالیا۔ اس کے نتیجہ میں مہینہ کے بقیہ پندرہ دن اسے فاقہ میں گزارنے پڑے۔ یا مثلاً ایک شخص کے ہمسایوں کو علم ہے کہ اُس کے پاس رات کے لئے کچھ کھانے کا سامان ہے لیکن رات کو اس نے کھانا پکا کر کسی دوسرے کو کھلا دیا۔ اِس قسم کی کئی اَور وجوہات بھی ہیں جن کی بناء پر باوجود کوشش کے کُلّی طور پر تکلیف کو ہٹایا نہیں جاسکتا۔

پھر اگر یہ نہ بھی ہو تب بھی سب کھانے والے کھانا نہیں کھاسکتے۔ مثلاً میری مثال لے لو میں بیمار ہوں۔ بعض دفعہ تین تین چار چار دن تک ایسا ہوتا ہے کہ جب بھی کھانے لگتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی سزا ملنے والی ہے۔ ایک قسم کا امتلاء اور اختلاج محسوس ہوتا ہے۔ لیکن جب زہر نکل جاتا ہے تو بھوک اِس شدت کی لگتی ہے کہ اگر دس منٹ بھی کھانا لیٹ ہو جائے تو جسم تھر تھر کانپنے لگ جاتا ہے۔ بہرحال یہ کسی کے اپنے اختیار کی بات نہیں۔ انسان کی اپنی غلطی نہ بھی ہو تب بھی خدا تعالیٰ نے بعض اسباب ایسے رکھے ہیں جن کے ہوتے ہوئے کُلّی طور پر تکلیف کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ یا مثلاً کپڑے ہیں کپڑے کسی ہی قسم کے ہوں جب خطرناک قسم کی خارش پیدا ہو جاتی ہے تو جالی کا کپڑا بھی جسم پر نہیں رکھا جاسکتا۔ ایسا مریض یہ چاہے گا کہ مکان کے کنڈے لگالے اور اندر ننگا بیٹھ جائے۔ اِن سب چیزوں کا کوئی حکومت کیا علاج کرسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص دنیا میں موجود ہو اور اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ ہاں تم منافقت کی وجہ سے اپنی تکلیفوں کو بڑھا کر دکھاتے ہو۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ہر شخص پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہی رہتی ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی قوم نکال دو جس کے افراد کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ اپنے محلّہ میں ہی چلے جاؤ

اور دیکھو کہ وہاں کتنے ایسے آدمی ہیں جن کی حالت تم سے بھی زیادہ گری ہوئی ہے۔ اگر احمدی ہونے کی وجہ سے ہی تمہاری حالت گری ہے تو تمہاری حالت سب سے زیادہ گری ہوئی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہاری حالت اپنے معیار کے لوگوں سے اچھی ہے۔

یہ امرِ واقعہ ہے کہ احمدی چونکہ دلیل کی طرف جاتا ہے اس لئے لوگوں میں اس کا ادب بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح ہم رتبہ لوگوں میں بھی اس کی بات مانی جاتی ہے۔ اس کی راہنمائی کو لوگ بہتر خیال کرتے ہیں لیکن وہ اپنی حالت کے خراب ہونے کا بہانہ بناتا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ احمدیت کی وجہ سے یہ سلوک ہوا ہے۔ مگر اس میں ان کی طرف سے بھی بعض کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ ہم مشورہ دیتے ہیں مگر وہ نہیں مانتے۔ ان میں یا تو عدمِ استقلال ہوتا ہے یا وہ اپنے لئے وہ راستہ تجویز کرتے ہیں جس پر اَور لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ ہم نے اسی رستہ سے داخل ہونا ہے۔ حالانکہ اس کے علاوہ سینکڑوں اَور رستے ہوتے ہیں جنہیں اختیار کر کے ترقی کی طرف قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ باوجود اِس کے کہ تکلیف اٹھانے میں مومن اور کافر برابر ہے تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ تم خدا تعالیٰ سے اُس کے فضل کی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتا۔ کافر جب مرنے لگتا ہے تو سمجھتا ہے اگلے جہان میں کوئی ٹھکانا نہیں۔ لیکن جب مومن مرتا ہے تو کہتا ہے میں اپنے اصل ٹھکانے کو چلا ہوں۔

حضرت علیؓ کے پاس ایک دہریہ آیا اور ہستی باری تعالیٰ کے متعلق آپ کی اُس سے بحث ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے متعدد دلائل دیئے پھر فرمایا ہم نے بحث کی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے عقیدہ کے حق میں متعدد دلائل دیئے ہیں لیکن آؤ ہم عقلی طور پر یہ دیکھیں کہ ہم دونوں میں کتنا فرق ہے۔ فرض کرو ہم دونوں فلسفی ہیں۔ فلسفہ کا اصول ہے کہ کسی چیز پر غور کرتے ہوئے اُس کے اثبات اور نفی کے دونوں دروازے کھلے رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہیں گے خدا ہے تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیں گے کہ شاید خدا نہ ہو۔ آپ یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی موجود نہیں اور میں خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتا ہوں۔ ہم دونوں مرتے ہیں تو موت کے بعد کس کا حال اچھا رہے گا؟ اگر خدا تعالیٰ نہیں جیسا کہ تم کہتے ہو تو مرنے کے بعد تمہیں کچھ ملنے کا نہیں۔ اور اگر خدا ہے تو پھر تمہیں جوتیاں پڑیں گی۔ لیکن میں کہتا ہوں خدا ہے

اگر مرنے کے بعد یہ ثابت ہو کہ خدا نہیں تو مجھے کیا نقصان ہے۔ لیکن اگر خدا ہو تو مجھے دنیا میں اُس پر ایمان رکھنے سے فائدہ ہی پہنچے گا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ خدا تعالیٰ پر یقین رکھ کر مجھے فائدہ ہؤا یا آپ کو اس پر یقین نہ رکھ کر فائدہ ہؤا؟ یہی بات اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ تم اتنا تو سوچو کہ تمہاری یہ خوش قسمتی ہے کہ تم مرتے ہو تو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میں بیوی بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑتا تو خدا تعالیٰ تو ہے وہی ان کا محافظ ونگران ہوگا۔ لیکن ایک دہریہ مرنے لگتا ہے تو کہتا ہے سب تباہ ہو گئے۔ وہ ایک ایک بچے اور ایک ایک عزیز کی تصویر سامنے لا کر روتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میری بیوی مرنے کے بعد اَور شادی کر لے گی اور بچے تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن مومن مرتا ہے تو سمجھتا ہے میں خدا تعالیٰ کے پاس جا رہا ہوں اور وہی ان کا بھی حافظ ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کا بچہ فوت ہو گیا۔ اُس نے کوئی صدمہ محسوس نہ کیا بلکہ خوش خوش پھرتی رہی۔ لوگوں نے اُسے طعنے دیئے کہ دیکھو اس کا بچہ مر گیا ہے اور اسے کوئی افسوس نہیں۔ وہ عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کو مرنے کے بعد جنت ملے گی اور یہ یہ راحتیں اور آرام ہیں جو اُسے اخروی زندگی میں میسر ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اُس عورت نے عرض کیا یا رسولَ اللہ! آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی مومن اس دنیا میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہتا ہے تو اُسے اگلے جہان میں ایک عظیم الشان محل مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس عورت نے کہا اگر یہ سب ٹھیک ہے تو کسی دوسرے کے مرنے پر اُس کے رشتہ دار روئیں گے کیوں؟ وہ تو خوش ہوں گے کہ اُن کا رشتہ دار تکلیف ومصائب والی دنیا سے ایک پُر امن دنیا میں چلا گیا۔ یا رسولَ اللہ! میرا بچہ مر گیا اور میں خوش تھی کہ وہ جنت میں گیا ہے لیکن عورتیں مجھے طعنے دیتی ہیں کہ میں نے اپنے بچے کی وفات پر کوئی افسوس نہیں کیا۔ یا رسول اللہ میں اس کی وفات پر روؤں کیوں، میرے لئے تو یہ خوشی کا مقام ہے کہ وہ دنیا کے دکھوں سے نجات پا گیا اور اس نے ابدی زندگی حاصل کر لی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عورت اس فلسفہ کو اکسٹریم (Extereme) تک لے گئی۔ لیکن اس سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ بعض دفعہ خود رونا بھی خوشی کا رونا ہوتا ہے۔ جیسے ایک عرب شاعر کہتا ہے کہ میری آنکھوں کو رونے کی عادت پڑ گئی ہے۔ خوشی کا وقت ہو تب بھی وہ روتی ہیں اور غمی کا وقت ہو تب بھی وہ روتی ہیں۔ لیکن اتنی بات بہرحال درست ہے کہ جو شخص نیکی کی حالت

میں مرتا ہے یقیناً بہت آرام دہ زندگی میں چلا جاتا ہے اور قدرتی بات ہے کہ اس کے رشتہ داروں کو اس کی موت پر خوش ہونا چاہیے۔

غرض مومن کو امید ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اسے اتنی بڑی راحت ملے گی جو ایک بادشاہ کو بھی اپنی عظیم الشان سلطنت کے باوجود میسر نہیں آتی۔ ایک بڑے سے بڑے بادشاہ کو یہ یقین دلا دو کہ اگلے جہان میں تمہیں خوشی میسر ہوگی وہ یقیناً کہے گا کہ پھر مجھے اپنی موت کی کوئی پروا نہیں۔ میں نے بڑے بڑے دہریوں کے متعلق پڑھا ہے کہ جب وہ مرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارا عقیدہ غلط ہے۔ پس اِس آخری گھڑی کا آرام سے گزر جانا بلکہ ساری زندگی کا آرام سے گزر جانا بہت بڑا انعام ہے اس کے مقابلہ میں کافر کے پاس ہے ہی کیا چیز۔''

(الفضل مورخہ 12 جولائی 1961ء)

1: النساء: 105

2: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ

(حٰم السجدة:35)

3: الرحمٰن: 47

4: الفلق: 6